© rasailojaraid.com

جناب محمد فاروق قریشی صاحب (لاہور)

پاکستان میں جمہوریت کا مستقبل ؟

پاکستان میں جمہوریت کیوں نہ پنپ سکی۔ یہ بڑا اہم سوال ہے۔ اس کے جواب کے سب متلاشی ہیں۔ یہاں تک کہ ۱۹۷۱ء میں ملک دولخت ہوگیا۔ حمود الرحمن کمیشن مقرر ہوا۔ اول تو بھٹو نے اس کی ٹرم آف ریفرنس ہی غلط رکھی تھی۔ لہذا اس کی رپورٹ اسی بنیاد پر لکھی جانی تھی۔ بہرحال کمیشن نے متعدد سیاستدانوں اور دیگر افراد کے بیانات قلم بند کئے۔ آخر کار رپورٹ تیار ہوگئی اور آج تک منظر عام پر نہیں آئی۔ حالانکہ اسے شائع ہونا چاہیئے تھا تاکہ پاکستان کے عوام کو معلوم ہوسکتا کہ ان کے ساتھ یہ المناک حادثہ کیونکر پیش آیا۔ یہ سازش تھی یا عسکری محور پر شکست یا پھر ہندوستان اور روس نے ناجائز مداخلت کرکے ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو قائم ہونے والے پاکستان کے دوٹکڑے کردیئے۔ ایک بات طے ہے کہ بھٹو نے شکست خوردہ فوجی اداروں کو ازسرنو تعمیر کیا۔ اسے پھر لڑانے کے قابل بنایا۔ اس ادارہ نے ماضی کی طرح ملکی دفاع میں کوئی کارکردگی نہ دکھائی، البتہ ۱۹۷۱ء میں اپنے ہی ملک کو ایک مرتبہ پھر فتح کرنے میں ضرور کامیابی حاصل کی۔ اپنے ہی ملک کو فتح کرنے کی اس ادارہ کی پرانی روایت ہے۔ ایوب خان نے فتح کیا۔ یحیٰ خان نے فتح کیا اور آخر میں جنرل ضیاء الحق نے فتح کیا۔ پاکستان کی پچاس سالہ زندگی میں فوجی راج کے براہ راست حکمرانی کے 23 برس بنتے ہیں۔ جب نصف کے لگ بھگ پیریڈ فوجی حکمرانوں نے صرف کیا اور وہ اپنے نظام کا تجربہ کرتے رہے تو جمہوریت کا مستقبل کیا ہوسکتا تھا۔

پاکستان کے مؤرخوں نے ملک کی سیاسی فضا سے مرعوب ہوکر ایسی ایسی افسانہ طرازیاں کیں کہ تاریخ کا معلوم چہرہ ہی مسخ کردیا۔ کبھی یہ کہا گیا کہ ابتداء کے چند سالوں کو چھوڑ کر بگاڑ بعد میں پیدا ہوا۔ یہ اس صدی کا سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ کیونکہ تاریخی حقائق وواقعات سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ بلکہ دیکھا جائے تو صاف نظر آتا ہے۔ کہ جمہوریت کے خلاف سازش کی ابتداء اپنی ابتدائی ایام میں ہوئی۔ حالانکہ دونوں مملکتوں کے اعلیٰ قیادتوں نے آخری وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو یقین دلایا تھا اور اس یقین دہانی کا تذکرہ آخری وائسرائے نے انتقال اقتدار کے وقت کیا تھا انہوں نے کہا تھا کہ " دونوں مملکتوں کی حکومتوں نے اس امر کی ضمانت دی ہے کہ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے پہلے کے سیاسی مخالفین کے ساتھ امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا۔ ان الفاظ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے احترام کا مقصد اس سے کمتر نہ ہوگا کہ یہ انسانوں کے عقیدہ کی آزادی کا چارٹر ہے۔"

لیکن ان اعلیٰ اقدار کی آواز ابھی فضا میں گونج رہی تھی کہ قیام پاکستان کے صرف سات روز بعد ۲۲ اگست ۱۹۴۷ء کو صوبہ سرحد کی اکثریتی وزارت کو برطرف کردیا گیا۔ کسی محوری حمایت کے ادارہ کو غیر جمہوری اور غیر آئینی طریقے سے توڑنے کا ارباب اختیار کی طرف سے یہ پہلا قدم تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ وزیراعظم صوبہ سرحد ڈاکٹر خان صاحب اور ان کی جامعیت خدائی خدمتگاروں نے مسلم لیگ کے فرقہ وارانہ فلسفہ سیاست ہندوستان کی تقسیم سے اختلاف رائے کا برملا اظہار کیا تھا۔ یہ ان کا جمہوری حق تھا اور اختلاف رائے کے جمہوری حق سے کسی کو محروم نہیں بنایا جاسکتا۔ آخر مسلم لیگ نے بھی ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو ایک نیا فلسفہ سیاست ایجاد کیا تھا۔ اس سے بر عظیم ہندوستان کے تمام مسلمان متفق نہ تھے اور ہو بھی کیسے سکتے تھے۔ ایک بہت بڑا طبقہ اس سے اختلاف رائے رکھتا تھا۔ ان میں خدائی خدمتگار تھے۔ احرار تھے، خاکسار تھے، جمعیت علماء ہند تھی، مومن کانفرنس تھی، آل انڈیا شعبہ پولیٹیکل کانفرنس تھی اور دیگر مسلمان تھے۔ جو کسی سیاسی جماعت سے وابستہ نہ تھے۔ تو کیا یہ سب گردن زدنی تھے؟ پھر مسلم لیگ کے نظریہ کا ساتھ کس طرح دیا جاسکتا تھا جبکہ اسے خود قرار وقیام نہ تھا۔ ایک موقع پر مسلم لیگ تقسیم ہند منصوبہ سے دستبردار ہوگئی اور گروپ سکیم قبول کرکے اس نے متحدہ ہندوستان کو تسلیم کرلیا تھا۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو وہ لوگ ارفع واعلیٰ معلوم ہوتے ہیں۔ جنہوں نے مسلم لیگ کے فلسفہ سیاست سے اتفاق نہ کیا اور اپنے موقف پر استقلال کے ساتھ جمے رہے۔ ان کی عظمت اور مستقل مزاجی کو سلام کرنے کو جی چاہتا ہے۔ ڈاکٹر خان صاحب کی وزارت ۲۲ اگست ۱۹۴۷ء کو برطرف کی گئی تھی۔ اس کے تقریباً دو ہفتے بعد خدائی خدمتگاروں کے صوبائی جرگہ، پارلیمانی پارٹی، زلمے پختون اور قبائلی علاقوں کا ایک اجلاس ہوا۔ جسمیں کامل غور وخوض کے بعد مندرجہ ذیل ریزولیشن منظور ہوا۔

(الف) خدائی خدمتگار پاکستان کو اپنا وطن تصور کرتے ہیں وہ عہد کرتے ہیں کہ اس کے استحکام اور حفاظت کیلئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرینگے اور اس مقصد کے لیے ہر طرح کی قربانی دینے کیلئے تیار ہیں۔

(ب) ڈاکٹر خان صاحب کی وزارت کو برخاست کرنا اور ان کی جگہ عبدالقیوم خان کو بٹھانا غیر جمہوری اقدام ہے۔ چونکہ ہمارا ملک نازک حالات سے گزر رہا ہے۔ اس لئے خدائی خدمتگار کوئی ایسا اقدام نہیں کریں گے۔ جس سے مرکزی یا صوبائی حکومتوں کے لیے مشکلات پیدا ہوں۔

(ج) ملک کی تقسیم کے بعد خدائی خدمتگار آل انڈیا کانگریس سے اپنا ناطہ منقطع کرتے ہیں۔ اس لیے ترنگے جھنڈا کا استعمال ترک کرکے آئندہ سے پارٹی کا نشان صرف سرخ جھنڈے کا استعمال کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کریں گے۔ ان واضح اور غیر مبہم یقین دہانیوں کے بعد انتقامی کاروائیوں کا کوئی جواز نہ تھا۔ لیکن بدخو حکمرانوں نے جمہوری اقدار کو پس پشت ڈالا اور پکڑ دھکڑ کا سلسلہ شروع ہوا۔ پہلے تو خان عبدالغفار خان اور ان کے کئی حواریوں کو گرفتار کرکے سزا دلوائی گئی اور پھر انہیں فرینٹئر کرائمز ریگولیشن کے تحت ۱۹۵۴ء تک جیل کی تنگ وتاریک کوٹھڑی میں بند رکھا۔ ڈاکٹر خان صاحب کی وزارت کو جس قانون کے تحت برطرف کیا گیا تھا، اسی پر کوئی آواز بلند نہ ہوئی تھی۔ کسی نے مذمت میں ایک لفظ نہیں کہا تھا۔ اس سے حکومت کے حوصلہ جوان ہوگئے۔ اور سندھ میں محمد ایوب کھوڑو کو بھی چلتا کیا۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ حکومت کے اقدام کے خلاف احتجاج رجسٹر کرایا جاتا لیکن سب نے چپ سادھ لی۔ اگر ابتدائی ایام میں احتجاج بلند ہوتا تو حکومت کو آئندہ اقدام کرنے سے پہلے سوچنا پڑتا۔ مگر مصلحت آمیز چپ نے حکومت کی حوصلہ افزائی کی اور اس نے ایک کے بعد ایک صوبائی حکومتوں کو توڑنا شعار بنا لیا۔ آخر ایک روز ایسا بھی آیا کہ پنجاب کے سب سے بڑے منتخب جمہوری ادارہ صوبائی اسمبلی کو توڑ دیا اور نواب افتخار حسین خان آف ممدوٹ کی وزارت کو برطرف کردیا۔ آخر کار غلام محمد، جسے قائداعظم محمد علی جناح نے مالیات کا فنی ماہر ہونے کے حوالے سے وزارت میں شامل تھے۔ انہوں نے صحت کی خرابی کی بناء پر مستعفی ہونے کی استدعا کی تھی۔ نوابزادہ لیاقت علی خان کے قتل کے بعد سازش کے ذریعہ خواجہ ناظم الدین کی جگہ گورنر جنرل بننے میں کامیاب ہوگیا۔ وہ بالکل غیر سیاسی آدمی تھا۔ اس نے تحریک آزادی اور تحریک پاکستان میں کوئی حصہ نہ لیا تھا۔ اسے اس ضمن میں کوئی تجربہ نہیں تھا۔ وہ سیاست کے کارزار سے نہیں گزرا تھا۔ نہ ہی سیاست کے نشیب وفراز سے واقف تھا۔ دراصل مالیات کے غیر سیاسی لوگوں نے پاکستان کی جمہوری سیاست کا بیڑا غرق کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ایک غلام محمد، جنہوں نے خواجہ ناظم الدین کی وزارت کو اس وقت برطرف کردیا جب انہوں نے اسمبلی سے بجٹ پاس کراکر اعتماد کا ووٹ حاصل کرلیا تھا۔ مگر غلام محمد کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ دوسرے چوہدری محمد علی، جنہیں اپنے بارے میں بڑا گھمنڈ تھا کہ اس کے کہنے پر قائداعظم نے عبوری حکومت میں وزارت خزانہ مسلم لیگ کے پاس رکھی تھی وگرنہ قائداعظم نے تو خزانہ کا محکمہ اپنے پاس رکھنے میں ہچکچاہٹ محسوس کررہے تھے۔ دراصل اسی وقت چوہدری محمد علی نے محسوس کرلیا تھا کہ مسلم لیگ کی قیادت ملک چلانے کی صلاحیتوں سے محروم ہے اور اس نے تاروپود بکھیرنے شروع کردیئے تھے۔ پھر چوہدری محمد علی ہیرا پھیری کرکے کابینہ سے بالا بالا کابینہ سیکرٹری میں بیٹھے اور عملاً حکومت ان کے تصرف میں آگئی۔ وزیراعظم نوابزادہ لیاقت علی خان اور قائداعظم محمد علی جناح کے رولز اور ان تضادات ایک طویل داستان ہے۔ نوابزادہ لیاقت علی خان نے کشمیر کا مسئلہ اسی لئے پیدا کیا کہ وہ حیدر آباد حاصل کرلینے کے غیر حقیقت پسندانہ خواب میں گرفتار تھے۔ جہاں وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنا حلقہ انتخاب بنانا چاہتے تھے۔ لیکن جب حیدر آباد اور کشمیر کا مسئلہ الجھ گیا تھا تو انہوں نے سندھ میں اردو کے بولنے والوں کو آباد کرنا شروع کیا۔ یہ دراصل نوابزادہ لیاقت علی خان کی خود غرضی کی انتہا تھی۔ اس کم عقلی اور غیر دانش مندی کا نتیجہ یہ نکلا کہ نہ کشمیر پاکستان کو مل سکا اور نہ ہی حیدر آباد دکن۔ حیدر آباد دکن کے پاکستان کے ساتھ ملنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ البتہ کشمیر ضرور بالضرور وزیر اعظم نوابزادہ لیاقت علی خان کے مغرورانہ رویہ کی وجہ سے پاکستان کے ہاتھ سے جاتا رہا۔

خواجہ ناظم الدین کی وزارت کی برطرفی کے بعد گورنر جنرل غلام محمد کے حوصلے بہت زیادہ بڑھ گئے۔ وہ آمر مطلق بن گیا۔ مغربی پاکستان کے بالادست طبقات (جاگیرداروں، سول اینڈ ملٹری بیوروکریسی اور دیگر) کے گھٹ جوڑ نے ملک میں جمہوری اداروں کو پنپنے نہ دیا۔ مسلم لیگ کے علاوہ سیاسی جماعتوں کو وطن دشمن اور غدار قرار دینے کے عمل میں شدت آگئی۔ جس نے حکومت کے خلاف زبان کھولی انتہائی نظر بندی کی قانون کے تحت بلا مقدمہ چلائے جیل میں ڈال دیا گیا اور اس کی کوئی مدت نہ تھی۔ جب غلام محمد گورنر جنرل نے قائداعظم کی یادگار میں آئین ساز اسمبلی پر ہاتھ صاف کیا تو وہ آئین سازی کا کام تقریباً مکمل کر چکی تھی۔ چند یوم بعد آئین اسمبلی میں پیش کر دیا جاتا، مگر اس کا موقع ہی نہ آیا۔ مولوی تمیز الدین قومی اسمبلی کے سپیکر تھے انہوں نے سندھ ہائی کورٹ میں گورنر جنرل کے فرمان کو چیلنج کر دیا۔ سندھ ہائی کورٹ نے ایک عمدہ فیصلہ سنایا اور رٹ آف ہنڈلیس جاری کر دیا۔ لیکن گورنر جنرل کو سخت دھکا لگا۔ حکومت سپریم کورٹ میں گئی۔ تو وہاں چیف جسٹس ملک محمد منیر بیٹھے ہوئے تھے جو گورنر جنرل کے برادری برادر تھے۔ بس انہوں نے ڈنڈی ماری اور نظریہ ضرورت کے تحت گورنر جنرل کے حق میں فیصلہ داغ دیا۔ گورنر جنرل کے فرمان کی توثیق ہوگئی۔ لیکن ملکی سیاست میں جو قباحتیں پیدا ہوئیں انہیں اب تک دور نہیں کیا جاسکا۔ اول تو جمہوریت کی گاڑی کو پٹڑی پر چڑھنے نہیں دیا گیا۔ اگر کچھ دیر کے لیے چڑھی بھی تو مغربی پاکستان کے بالادست طبقات نے اسے چلنے نہ دیا۔ اسمبلیاں ٹوٹتی رہیں بنتی رہیں۔ حالانکہ اس کا کوئی جواز نہ تھا۔ عدالتی نظریہ ضرورت کے تحت حکومتی فرمان کو جائز قرار دیتی رہیں اور سیاست کا بیڑا غرق کرنے میں مددگار ثابت ہوتی رہیں۔ تاآنکہ نواز شریف کے کیس عدالت کا رویہ مختلف تھا۔ مگر اسے بالادست طبقات نے چلنے نہ دیا اور بے نظیر کو لا بٹھایا۔ اسمبلیوں کی شکست و ریخت کی داستان بڑی طویل اور دلخراش ہے۔ یہ ایک مختصر سا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ تاکہ معلوم ہو سکے کہ ملک کے بالادست طبقات کس انداز میں سوچتے اور عمل کرتے ہیں۔ ان طبقات کی موجودگی میں ملک میں جمہوریت اور جمہوری اداروں کا مستقبل کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان طبقات نے جمہوریت کو بڑا شدید نقصان پہنچایا ہے۔ جبتک سیاسی جماعتیں ایک قوت اور طاقت کے طور پر منظم اور مربوط نہیں ہوں گی۔ یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔ اور جمہوریت کی کشتی ڈگمگاتی رہے گی۔

© rasailojaraid.com